غزل نمبر: 4
کاش طوفاں میں سفینے کو اتارا ہوتا

● مصنف: پروین فناسید ● صنف: غزل ● ماخذ: کلیات پروین فناسید

حالات زندگی:

خواتین شعراء میں منفرد شناخت رکھنے والی معروف شاعرہ پروین فناسید ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد سید ناصر حسین رضوی سپرنٹنڈنٹ جیل کے عہدے پر فائز تھے۔ قیام پاکستان کے وقت آپ بھارت کے شہر گرداسپور میں مقیم تھیں۔ جہاں کے ہندو مسلم فسادات نے آپ کے ذہن کو بہت متاثر کیا۔ انھوں نے ۱۹۵۱ء میں گوجرانوالہ سے می
ٹرک کا امتحان پاس کیا۔ لاہور کالج برائے خواتین میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ پروین فناسید نے بھرپور زندگی گزاری۔ ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو کراچی میں وفات پا گئیں۔

علمی و ادبی خدمات:

پروین فناسید نے پندرہ سال کی عمر سے شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ ادا جعفری اور فیض احمد فیض سے شاعری میں اصلاح لیتی تھیں۔ پروین فناسید کی شاعری میں ایک طرف زمانے کا دُکھ درد، حرماں نصیبی اور قدرے اداس لہجہ ملتا ہے لیکن دوسری طرف ان کے خیال میں امید، بھرم، تہذیب، شائستگی اور آگے بڑھنے کا ولولہ تازہ بھی ملتا ہے۔ وہ بیسویں صدی کی ایک نامور شاعرہ کے طور پر جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ انھوں نے محنت اور خداداد صلاحیتوں کے سبب علمی و ادبی حلقوں میں نہ صرف پہچان کروائی بلکہ اپنے فن اور اسلوب کا لوہا بھی منوایا۔

تصانیف:

حرف وفا"، "تمنا کا دوسرا قدم"، "لہو سرخ ہے" اور "یقین" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سفینے	کشتی	موجوں	لہریں
ابھارا ہوتا	پانی کا کسی چیز کو باہر اچھالنا	ساحل	سمندر کا کنارہ
واقف	جاننے والا	اداب جفا	ظلم کرنے کا دستور
غم	دکھ ، تکلیف	مقدر	نصیب ، قسمت
بصدِ شوق	شوق کے ساتھ	گوارا ہوتا	برداشت کرنا
باغباں	باغ کی دیکھ بھال کرنے والا، مالی	بھرم	بھروسہ، یقین
گلشن	باغ	عنایت	مہربانی
اسرارِ فنا	فنا ہونے کے راز	بقا	باقی رہنا
یزداں	اللہ کی ذات		

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1:

کاش طوفان میں سفینے کو اتارا ہوتا
ڈوب جاتا بھی تو موجوں نے ابھارا ہوتا

حوالہ شعر:

صنفِ سخن : غزل
شاعرہ کا نام : پروین فناسید
ماخذ : کلیاتِ پروین فناسید

مفہوم:

اپنے سفینے کو طوفان کے باوجود موجوں کے سپرد کر دیا ہے کیونکہ موجیں ہی ڈوبنے پر اُبھار دیں گی۔

تشریح:۔

پروین فناسید کو فنِ مصوری اور موسیقی میں گہری دلچسپی تھی۔ اپنے ابتدائی دور میں وہ ادا جعفری سے متاثر رہیں۔ اور انہی کے رنگ میں شاعری بھی کرتی رہیں ۔شاعری میں فیض احمد فیض سے اصلاح لی اور پھر انہی کا رنگ شاعری اختیار کیا۔ اس شعر میں پروین فناسید صاحبہ حوصلے اور ہمت کے ساتھ طوفان سے ٹکرانے کی تلقین کر رہی ہے، کہ اگر انسان مشکل حالات کے سامنے ڈٹ جائے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ لیکن اگر گھبرا کے پیچھے ہٹ جائے تو بے رحم موجیں اس کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔

زندگی خوشگوار اور ناخوشگوار حالات سے عبارت ہے۔ اچھے اور برے، دونوں قسم کے حالات کا سامنا ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جسے اپنی زندگی میں نامساعد حالات کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو یا شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو، جسے کبھی کوئی آسانی میسر نہ آئی ہو۔ تاہم اگر یوں کہا جائے تو بہتر ہو گا کہ مشکل حالات کا سامنا عموماً آسان حالات کی نسبت زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے شاعری میں مشکلات کو عموماً طوفان اور موجوں کو علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان مشکلات سے نمٹنا ہی اصل فن ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق مشکل حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں

لیکن کچھ لوگوں کا ہمت و حوصلہ جلد ہی جواب دینے لگتا ہے، وہ طوفان کی موجوں سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ ایسے بزدل اور کم حوصلہ لوگ مشکلات سے گھبرا کر ناکامیوں کا رونا روتے ہیں۔ برا وقت اور حالات زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے برے وقت کے دوران خود کو یقین دلائیں کہ جلد ہی اچھا وقت بھی آئے گا اور یہ مشکل وقت گزر جائے گا کیونکہ یہ یقین آپ کے مقاصد کی تکمیل میں مددگار ثابت ہو گا اور مصائب برداشت کرنے کی طاقت دے گا۔ ہمت نہ ہاریں کبھی یہ نہ سوچیں کہ میں پوری زندگی ناکام رہوں گا۔ میں اب ایک ناکارہ انسان ہوں بلکہ دوبارہ میدان میں کامیابی کی امید لے کر اُتریں اور اپنی پہلی ہار میں جن وجوہات کی بنا پر غلطیاں ہوئیں ان کی اصلاح کریں۔ اچھا سوچیں گے تو اپنے مسائل کو بہتر طریقے سے حل کر سکتے ہیں۔ چیونٹی اپنے عزم و حوصلے کے بل بوتے پر بڑے سے بڑا معرکہ سر کر لیتی ہے اور اس کی ننھی منی جسامت منزل تک پہنچنے کے احساس کو کسی بھی طرح کمزور نہیں کرتی، جب ایک چیونٹی کا یہ حال ہے تو نوجوان نسل کا عزم و حوصلہ کتنا بلند ہونا چاہیے؟

اگر سوار بلند حوصلہ ہو تو گھوڑا دوڑانے کے لیے دوسرے بہت سے میدان چاروں طرف موجود ہوتے ہیں۔ نوجوانوں میں موجود عزم و حوصلہ چٹانوں سے ٹکرانے اور طوفانوں کا رُخ موڑ دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جسے مشکلات کا سامنا نہ ہو، مشکل کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے۔ جیت ان ہی کا مقدر ہوتی ہے، جنہیں اپنے جیتنے کا یقین ہو۔ ایسے لوگوں کو طوفان بھی اور صحرا بھی راستہ دے دیتا ہے۔ اور باہمت لوگ ڈوبتے ہیں تو موجیں بھی ان کی مددگار ثابت ہوتی ہیں مطلب یہ ہے کہ انسان کی ہمت، عزم حوصلے کے سامنے مشکلات، مصائب کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ایک اور شاعر بھی یہ تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

شعر نمبر2:

ہم تو ساحل کا تصور بھی مٹا سکتے تھے
لبِ ساحل سے جو ہلکا سا اشارہ ہوتا

حوالہ شعر:

صنفِ سخن : غزل
شاعرہ کا نام : پروین فناسید
ماخذ : کلیاتِ پروین فناسید

مفہوم:

حالات کا سامنا کرنے کے لیے ہمت اور حوصلہ درکار ہوتا ہے۔

تشریح:۔

پروین فناسید صاحبہ اس شعر میں بیان کر رہی ہیں کہ حالات سے جب انسان ٹکرا رہا ہوتا ہے اور ساحل قریب آجاتا ہے تو تب انسان کو بہت زیادہ اذیت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب ساحل قریب آ کے دور چلا جائے تو انسان حوصلہ ہار جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اپنوں کے ہاتھوں تکلیف یا اذیت کسی کے لئے بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے بالخصوص اپنوں سے بے رخی کا مظاہرہ انسان کو اندر سے ختم کر دیتا ہے۔ جب انسان کو وہاں سے دھوکہ ملے جہاں سے وہ توقع نہ کر رہا ہو تو تب انسان گہری تکلیف کے احساس کو محسوس کرتا ہے۔ انسان زندگی میں ہر ایک سے لڑ سکتا ہے لیکن اپنوں کے بے رخی اس کے لئے اس منزل کا درجہ رکھتی ہے جو ہاتھ آ کے دور چلی جائے۔

دنیا بھی پیش آئی بہت بے رخی کے ساتھ
ہم نے بھی زخم کھائے بہت سادگی کے ساتھ

انسان ہمیشہ اپنے اندر کی جنگ سے ہارتا ہے جتنا انسان مضبوط اعصاب کا مالک ہوگا۔ اتنا ہی وہ حالات کے ساتھ نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ بہت زیادہ پریشان حال لوگ خوامخواہ کی پریشانیوں کی وجہ سے اپنے ہاتھ آئی ہوئی منزل کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ لیکن عالی حوصلہ اور باصلاحیت لوگ نہ صرف مقاصد کا ساحل مراد عبور کر جاتے ہیں بلکہ وہ منزل سے بھی کہیں آگے ان کی منزل موجود ہوتی ہے۔ وہ کسی شاعر نے کہا تھا کہ۔

حد لامکاں سے گزر گیا، خطِ امتحاں سے گزر گیا
تیری جستجو میں خبر نہیں، میں کہاں کہاں سے گزر گیا

انسان کو ہمیشہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے چاہے وہ بیرونی حالات ہیں یا اعصاب کی جنگ۔ اپنے آپ کو آمادہ اور تیار رکھنا چاہیے۔ کسی کے سہارے پر زندہ رہنے سے بہتر ہے انسان اپنی ہمت اور حوصلے مطابق ہی آگے بڑھے۔

شعر نمبر3:

تم ہی واقف نہ تھے آدابِ جفا سے ورنہ
ہم نے ہر ظلم کو ہنس ہنس کے سہارا ہوتا

حوالہ شعر:

صنفِ سخن : غزل
شاعرہ کا نام : پروین فناسید
ماخذ : کلیاتِ پروین فناسید

مفہوم:

اے "محبوب" اگر تو آدابِ جفا سے آشنا ہوتا تو ہم تیرا ہر جبر خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے۔

تشریح:۔

پروین فناسید صاحبہ اس شعر میں غم اور درد کے فلسفے کو بیان کر رہی ہیں۔ اردو شاعری میں محبوب کا کردار ایک ظالم و جابر سا ہے۔ جو اس بات سے لطف اندوز ہوتا ہے کہ اس کا عاشق اس کی طرف سے دی گئی تکالیف کے بدولت تڑپے، لیکن آگے سے کوئی شکوہ، گلہ نہ کرے، اور نہ ہی کسی قسم کا احتجاج کرے۔ ویسے بھی یہ بات محبت کے آداب میں سے ہے، کہ عشاق محبوب کی طرف سے ملنے والی اذیت پر اف تک نہ کرے۔ ساغر صدیقی کہتے ہیں:

ہائے آدابِ محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

البتہ پروین فناسید صاحبہ آدابِ جفا کی گزارش ضرور کر رہی ہیں کہ اے محبوب تمھاری طرف سے ملنے والا ظلم ہم نے انتہائی خندہ پیشانی اور رغبت سے برداشت کیا۔ لیکن افسوس کہ محبوب نے تذلیل، بے وفائی کو بھی جفا سمجھ رکھا ہے۔ جو کہ عاشق کے لیے کسی بھی طرح قابل قبول نہیں۔ انسانی زندگی بھی دکھ اور درد سے عبارت ہے۔ اگر انسان ہر وقت حالات وواقعات کا رونا روتا رہے۔ وسائل کی عدم دستیابی کا شکوہ کرتا رہے، تو زندگی میں کبھی بھی آگے نہیں بڑھ پائے گا۔ انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ زندگی اس کی جو جھولی میں تب ہی کامیابی کی خیرات ڈالتی ہے۔ جب وہ اس زندگی کی طرف سے ملنے والی تکالیف، مصائب اور سختیوں کو نہ صرف برداشت کرے، بلکہ کسی قسم کا شکوہ بھی

زبان پر نہ لائے۔ جب انسان اس فلسفے کو سمجھ لیتا ہے کہ آسانی کے ساحل مراد تک پہنچنے کے لیے مشکلات کا سمندر عبور کرنا ضروری ہے، تو اپنی ساری توجہ اپنی منزل مقصود تک پر مرکوز کر دیتا ہے کیونکہ:

تھکیں جو پاؤں نہ ٹھہر، سر کے بل چل آتش
گل مراد ہے منزل، خار راہ میں ہے

شعر نمبر4:

غم تو خیر اپنا مقدر ہے سو اس کا کیا ذکر
زہر بھی ہم کو بصد شوق گوارا ہوتا

حوالہ شعر:

صنفِ سخن : غزل
شاعرہ کا نام : پروین فناسید
ماخذ : کلیاتِ پروین فناسید

مفہوم:

مقدر کی جنگ میں انسان کو چارو ناچار سب برداشت کرنا پڑتا ہے۔

تشریح:۔

شاعرہ اس شعر میں مقدر کے فلسفے کو بیان کر رہی ہیں، کہ انسان جس معاملے میں یکسر بے بس ہے۔ وہ اس کا مقدر ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو انسان کبھی بھی نہیں جیت سکتا۔ انسانی زندگی دکھ، تکلیف اور مصائب سے عبارت ہے، اور ایک عقل مند اور دانا شخص زندگی کے ہر فیصلے کو اگر اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لے، تو اس کی زندگی کافی تکالیف سے محفوظ ہو جائے گی۔ شاعرہ بھی اس شعر میں یہی بیان کر رہی ہیں کہ جب انسان مقدر پر راضی ہو جائے تو انسانی زندگی کے سارے جھگڑے فسادات ختم ہو جائیں گے۔ امیر غریب کا جھگڑا، تندرست بیمار کا مسئلہ، کالے گورے رنگ کی اذیت، لمبا قد چھوٹے قد کے مسائل، کند ذہن ذہین، خوبصورت، بدصورت، یہ سارے مسائل انسان کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔ اور نہ ہی ان کی وجہ سے پریشان ہونے سے یہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب رب ارض و سماوات کی تقسیم ہے۔ اور جب انسان اس بات کو سمجھ لے تو ہر دکھ اور شوق سے گوارا کر لے گا۔ کیونکہ

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار، یا رو کر گزار دے

دنیا میں جو لوگ زیادہ پریشان اور افسردہ نظر آتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت کا یہی المیہ ہے کہ وہ جو ہے اس پر راضی نہیں۔ اس کا شکر ادا نہیں کرتے عطا کیا گیا ہے لیکن مزید مال و اسباب کے لالچ کا زور ہے۔ اس لیے اوروں کے مال و اسباب پر نظر جما کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ انسان اس بات پر راضی ہو جائے کہ اس کے مقدر میں جو ہے وہ اسے مل چکا ہے۔ ورنہ تو انسان کے اگر انہی سوچوں میں گم رہے گا تو پریشانی میں مبتلا رہے گا۔

حاصل زندگی، حسرت کے سوا، کچھ بھی نہیں
یہ کیا نہیں، وہ ہوا نہیں، یہ ملا نہیں، وہ رہا نہیں

اس دنیا میں نہ تو انسان کے ہاتھ میں اپنا نفع ہے یا دوسرے کا نقصان ہے اور نہ ہی وہ اس بات پر قادر ہے کہ کسی سے کچھ چھین لے۔ جو اسے ملنا تھا، وہ مل چکا، اور وہ اسی کے لیے تھا۔ جو کسی دوسرے کو مل چکا، وہ اسی کا مقدر تھا۔ تو اب قسمت میں غم ہیں یا دکھ ہیں۔ اس زہر کو اب چارو ناچار پینا ہی پڑے گا۔ ورنہ اس کے علاوہ تو کوئی اور چارہ ہے نہیں۔

شعر نمبر5:

باغباں تیری عنایت کا بھرم کیوں کھلتا
ایک بھی پھول جو گلشن میں ہمارا ہوتا

حوالہ شعر:

صنفِ سخن : غزل

شاعرہ کا نام : پروین فناسید

ماخذ : کلیاتِ پروین فناسید

مفہوم:

ہماری مفلسی اور بے سر و سامانی نے باغباں کی عنایت کے بھرم کھول دیئے۔

تشریح:۔

اس شعر میں شاعرہ شکایت بھرا انداز اختیار کرتے ہوئے بیان کر رہی ہیں، کہ ہم نے تو اپنی مفلسی، بے بسی کا بھرم رکھا ہوا تھا، اور ہماری زبان سے کبھی شکوہ نہ سنا گیا۔ لیکن ہمارے حالات وواقعات دیکھ کر دیکھنے والوں نے ہماری حیثیت کا اندازہ لگا لیا۔

ہم نے اپنی مفلسی کا اس طرح رکھا بھرم
رابطے کم کر دیے اور مغرور کہلانے لگے

اس سے ایک تو ہماری غربت، بے سر و سامانی کا پردہ چاک ہوا، سو ہوا۔ پروردگار کی عنایت کا بھرم بھی کھل گیا۔ شاعرہ نے بہت ہی لطیف اور خوبصورت انداز میں اللہ کی بارگاہ میں اپنے لیے نعمتیں بھی طلب کر رہی ہے اور اپنی بے سر و سامانی کا شکوہ بھی بڑے مؤدب اور مروت بھرے انداز میں کر رہی ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے شکوہ میں بڑی خوبصورت انداز میں اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی :

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

اس کائنات میں کوئی بھی رب کی رحمت سے محروم نہیں ہے۔ لیکن ہاں انسان جب اپنے حالات کا مقابلہ کسی اور کے ساتھ کرتا ہے تو اس کے دل کو چوٹ ضرور پڑتی ہے۔ لیکن یہ رب کا خصوصی انعام ہی اس بندے پر ہوتا ہے جو اس تڑپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی عرض کرے اور اس سے اپنی ضروریات کا رونا روئے۔ بے شک وہ قادر مطلق ہے اور سب کو نوازنے والا ہے، لیکن اس کی بجائے جب اپنی حاجات مخلوق کے سامنے رکھے گا اپنے حالات کا رونا اپنے جیسے مجبور اور بے بس لوگوں کے سامنے روئے گا۔ تو مزید ذلیل و رسوا ہوگا۔ لیکن رب کی رحمت کسی کو مایوس نہیں کرتی ہر ایک کا دامن ضرور بھرتی ہے۔ اپنے دُکھ تکلیف پریشانی وغیرہ کی شکایت، اُس کا شکوہ اللہ کی طرف کیا جائے، اللہ سے کیا جائے اور اس طرح کیا جائے کہ اُس میں اللہ کے فیصلوں اور کاموں پر کوئی اعتراض نہ ہو، ناشکری والی کوئی بات نہ ہو تو وہ شکوہ، وہ شکایت صبر کے منافی نہیں۔ شاعرہ بھی اس شعر میں بڑے خوبصورت انداز میں عرض گزار رہی ہے، کہ اگر ہمارے گلشن میں بھی نعمتوں کے، رحمتوں کے، رزق کے، اسباب کے، پھول کھلے ہوتے تو اس طرح ہماری بے بسی اور غربت کا بھرم لوگوں پر عیاں نہ ہوتا۔

شعر نمبر6:

تم پہ اسرارِ فنا رازِ بقا کھل جاتے
تم نے ایک بار تو یزداں کو پکارا ہوتا

حوالہ شعر:

صنفِ سخن : غزل

شاعرہ کا نام : پروین فناسید

ماخذ : کلیاتِ پروین فناسید

مفہوم:

اے فنا اگر تو ایک بار اللہ تعالیٰ کو پکارتی تو تجھ پر فنا اور بقا کے راز کھل جاتے۔

تشریح:۔

فنا اور بقا کا مسئلہ ہمیشہ انسانی تحقیق اور غور و فکر کا اہم موضوع رہا ہے۔ بقول آئن اسٹائن انسان کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جارہے ہیں، کچھ سمجھ نہیں آتا، اس حوالے سے ہمارا عقیدہ واضح ہے۔ ابہام صرف انہیں ہے جن کا ایمان متزلزل ہے۔ سوچیئے کہ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے نام ان کی زندگی ہی میں ان کی پہچان بن جاتے ہیں اور ان سے بھی زیادہ خوش قسمت وہ ہوتے ہیں جو اپنے قدموں کے نشان تاریخ کے صفحات پر ثبت کر جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ زندہ رہنا اور موت کے بعد بھی زندہ رہنا ہر انسان کا خواب اور خواہش ہوتی ہے اور یہ خواہش انسانی نفسیات کا حصہ ہے۔ دراصل فنا اور بقا اس کائنات کے دو رنگ اور دو متضاد پہلو ہیں۔ فنا انسان کا مقدر ہے اور رب کائنات نے اس سارے نظام کی بنیاد ہی فنا پر رکھی ہے۔ لیکن اس فنا میں ایک پہلو بقا کا بھی ہے۔ وہ بقا تھوڑے عرصے کے لئے ہو یا طویل عرصے کے لئے بہر حال اسے بھی ایک دن فنا ہونا ہے۔ آپ غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جس روز بقا فنا ہو گی دراصل وہ دن یوم حساب ہو گا اور یوم حساب تک فنا و بقا کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ بھی ایک دلچسپ اور قابل غور معمہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے کا مقدر فنا رکھا ہے اور انسان کو شعور کی آنکھ کھولتے ہی علم ہوتا ہے کہ اسے بہر حال فنا ہونا ہے اور یہ کہ زندگی فانی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان کی فطرت میں ایک جذبہ ہمہ وقت شمع بن کر روشن رہتا ہے بلکہ یوں کہئیے کہ انسان کو مضطرب رکھتا ہے اور وہ جذبہ ہے بقا کا یعنی خالق حقیقی نے انسان میں خیر و شر کے ساتھ ساتھ بقا کی خواہش بھی رکھ دی ہے۔ انسان کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح فنا کو شکست دے لیکن وہ فنا کو شکست نہیں دے سکتا کیونکہ یہ امر ربی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی بقا کے ذریعے امر ربی کی فنا کو شکست دینے کی کوشش کرتا ہے۔ سادہ الفاظ میں اس بات کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسان یہ جانتے ہوئے کہ اسے ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہے، دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی زندہ رہنے کی خواہش اور تدبیر کرتا ہے۔ یہی خواہش یا تدبیر انسان سے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دلواتی ہے جو اسے مرنے کے بعد بھی لوگوں کی یادداشت یا تاریخ کے صفحات میں زندہ رکھتی ہے۔ چنانچہ انسان مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ غائب ہو کر بھی حاضر رہتا ہے اور اس کا ذکر یا اس کے کارنامے کا ذکر زندہ لوگوں کو گرماتا ہے۔ ان کی یادوں میں رشک کا گلاب بن کر خوشبو بکھیرتا رہتا ہے اور کبھی کبھی نشان منزل بذات خود منزل بھی بن جاتا ہے۔ میں جب انسانی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے دنیا کی عظیم ایجادات، تخلیقات، انسانی خدمت کی عظیم خدمات، قوموں کے مقدر اور حیات، عبادات و مجاہدات اور انسانی زندگی کی حیران کن کرامات کے پس پردہ بقا کا ہی جذبہ نظر آتا ہے، جسے قدرت پیدائش کے وقت انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیتی ہے۔ گویا جو لوگ اس جذبے یا انسانی فطرت کو دبا کر عام سطح پر زندگی گزارتے ہیں وہ گویا اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اشرف نہیں ہوتے۔ کیونکہ اشرف المخلوقات کی فطرت ہے فنا کو شکست دینا اور یہ دنیاوی بقا غور و فکر، گہرے مطالعے، تحقیق اور حد درجہ محنت کی متقاضی ہوتی ہے، جبکہ روحانی بقا "عشق" کی دین ہوتی ہے اور عشق کے ذریعے ہی سلوک کی منزلیں طے کر کے نصیب ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ عبادات و مجاہدات سے حاصل ہوتی ہے۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

لیکن فنا اور بقاء کے یہ راز توفیقِ الٰہی سے ہی انسان پر کھل پاتے ہیں۔ انسان سے ہمیشہ کے لئے یہ گھتیاں سربستہ راز ہی رہی ہیں لیکن پروین فنا سید صاحبہ یہی کہہ رہی ہے کہ رب کائنات کی بارگاہ میں عرض کر کے تو دیکھو وہ انسان کو ان سب رازوں کی حقیقت سے نہ صرف آگاہ کرتا ہے بلکہ اس کی ہستی بھی بقا پا جاتی ہے

فنا کی سمت چلا ہوں بقا میں کیا جانوں
کیسی بات ہے اس کی رضا میں کیا جانوں

مشقی سوالات

سوال نمبر 1: پروین فنا سید کی غزل کے متن کے پیش نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) شاعرہ کو طوفان میں سفینے کو اتارنے کے شدید خواہش کیوں ہے؟

جواب : **شدید خواہش**

شاعرہ کو طوفان میں سفینے کو اتارنے کی اس لیے شدید خواہش ہے۔ کیونکہ اس کا ذوق و شوق اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر سفینہ ڈوب بھی جائے گا تو ہمت و حوصلے کی موجیں اس کو دوبارہ سطح آب پر ابھار دیں گی۔

(ب) شاعرہ کس صورت میں ساحل کا تصور مٹا دینے کے لیے تیار ہے؟

جواب : **ساحل کا تصور**

شاعرہ کو اگر لب ساحل سے ہلکا سا اشارہ ہوتا، تو وہ ساحل کے تصور کو بھی مٹانے کے لیے تیار ہے۔

(ج) شاعرہ کس حال میں ہر ظلم کے سہارنے کے لیے آمادہ ہے؟

جواب : **ظلم برداشت کرنا**

اگر شاعرہ کا محبوب آدابِ جفا سے واقف ہو تو شاعرہ ہر ظلم کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہے۔

(د) **شاعرہ کس صورتحال میں بہ صد شوق زہر کو گوارا کرنے کے لیے تیار ہے؟**

جواب: **زہر گوارہ کرنا**

اگر مقدر میں زہر بھی ہو تو اس کو بھی شاعرہ بصدِ شوق گوارا کرنے کے لیے تیار ہے۔

(ہ) **شاعرہ کس کے بھرم کھلنے کی بات کر رہی ہیں؟**

جواب: **ذات کا بھرم**

شاعرہ باغباں کی عنایت کا بھرم کھلنے کی بات کر رہی ہے، اور یہ شکوہ کر رہی ہے کہ اگر ہمارے گلشن ایک پھول کھل جاتا تو اس سے ہمارا بھرم بھی باقی رہ جاتا۔

سوال نمبر2: غزل کی متن کو مد نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ کے ساتھ ملائیں تاکہ درست مصرعے ترتیب پا سکیں۔

جواب:

درست مصرعوں کی ترتیب

جواب :

کالم(الف)	کالم(ب)
کاش طوفان میں	سفینے کو اتارا ہوتا
ہم تو ساحل کا تصور	بھی مٹا سکتے تھے
تم ہی واقف نہ تھے	اداب جفا سے ورنہ
غم تو خیر اپنا مقدر ہے	سو اس کا کیا ذکر
تم پر اسرار فنا	راز بقا کھل جاتا

سوال نمبر3: اس غزل میں ہم آواز الفاظ:

اتارا، ابھارا، اشارہ، سہارا، گوارا، ہمارا، پکارا کے الفاظ کس طور پر استعمال ہوئے ہیں؟

جواب: **قافیہ جات**

شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ پروین فناسید کی اس غزل میں اتارا، ابھارا، اشارہ، سہارا، گوارا، ہمارا، پکارا، کے الفاظ قافیہ کے طور پہ استعمال ہوئے ہیں۔

سوال نمبر4: اس غزل میں مطلع کے دونوں مصرعوں اور اس کے بعد آنے والے ہر دوسرے مصرعے میں وہ لفظ کیا ہے جو من وعن دہرایا جاتا ہے اور اصطلاح میں کیا نام دیا جاتا ہے؟

جواب: **ردیف**

غزل یا قصیدہ میں ایسے الفاظ جو بغیر کسی تبدیلی کے شعر کے آخر میں بار بار دہرائے جائیں ردیف کہلاتے ہیں۔ پروین فناسید کی اس غزل میں "ہوتا" لفظ ردیف کے طور پہ استعمال ہوا ہے۔

سوال نمبر5: درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معنی واضح ہو جائیں۔

ساحل، طوفاں، سفینہ، موجوں، تصور

جواب : **الفاظ کا جملوں میں استعمال**

الفاظ	جملے
ساحل	بحر ی جہاز سے مسافروں کو ساحل صاف نظر ا رہا تھا ۔
طوفاں	اسمان کا رنگ تبدیل ہونے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ طوفان انے والا ہے۔
سفینہ	سفینہ ساحل سے جا لگا ۔
موجوں	سمندر کی بپھری ہوئی موجوں نے جہازوں کو ڈبو دیا۔
تصور	میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تم اتنی پست سطح پر اتر سکتے ہو۔

سوال نمبر6: اس غزل کی درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

آدابِ جفا، بہ صد شوق، عنایت کا بھرم، اسرارِ فنا، رازِ بقا

جواب:

تراکیب کا جملوں میں استعمال:

الفاظ و تراکیب	جملے
آدابِ جفا	محبوب آداب جفا سے ناواقف ہوتا ہے۔
بہ صد شوق	ہم بہ صد شوق ایئرپورٹ پر مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے۔

عنایت کا بھرم	اپ اگلے کو اتنا تو عطا کر دیں کہ آپ کی عنایت کا بھرم رہ جائے۔
اسرار فنا	اللہ اپنے پیاروں پر اسرار فنا و بقا کھول دیتا ہے۔
راز بقا	اللہ اپنے پیاروں پر اسرار فنا و بقا کھول دیتا ہے۔

سوال نمبر7: اس غزل کے مطلع میں وہ کون سے چار الفاظ ہیں جو متلازم یا گروہی الفاظ کہلا سکتے ہیں؟

جواب:

اس غزل کے مطلع میں طوفان، سفینہ، ڈوبنا اور موجیں گروہی یا متلازم الفاظ ہیں۔

سوال نمبر8: متن کے مطابق مناسب لفظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں۔

(الف) ڈوب جاتا بھی تو موجوں نے ابھارا ہوتا

(ب) ہم نے ہر ظلم کو ہنس ہنس کے سہارا ہوتا

(ج) زہر بھی ہم کو بہ صد شوق گوارا ہوتا

(د) ایک بھی پھول جو گلشن میں ہمارا ہوتا

(ہ) تم نے ایک بار تو یزداں کو پکارا ہوتا۔

کثیر الانتخابی سوالات

درست جواب کی نشان دہی کریں۔

62. **سفینے کو اتارنے کا مطلب ہے:**
(A) خواب دیکھنا (B) جدوجہد کرنا (C) مشکلات کا مقابلہ کرنا (D) ہمت ہار جانا

63. **غزل میں ہم آواز الفاظ کہلاتے ہیں:**
(A) مطلع (B) مقطع (C) قافیہ (D) ردیف

64. **پروین فنا سید کا اصل نام ہے۔**
(A) پروین سیّد (B) پروین شاکر (C) پروین فراز (D) پروین فنا

65. **پروین فنا سیّد نے اپنے لئے تخلص پسند کیا۔**
(A) پروین (B) فنا (C) سیّد (D) ادا

66. **پروین فنا سید کی جائے ولادت ہے۔**
(A) انبالہ (B) دلی (C) سیالکوٹ (D) لاہور

67. **پروین فنا سید نے میٹرک کہاں سے پاس کیا۔**
(A) گجرانوالہ (B) لاہور (C) سیالکوٹ (D) کراچی

68. **پروین فنا سید اپنی میڈیکل کی تعلیم کیوں جاری نہ رکھ سکیں۔**
(A) غربت کی وجہ سے (B) شدید علالت کی وجہ سے (C) شادی کی وجہ سے (D) شاعری کی وجہ سے

69. **پروین فنا سید رشتہ ازواج میں منسلک ہوئیں۔**
(A) احمد ندیم قاسمی کے ساتھ (B) فیض احمد فیض کے ساتھ (C) سید احمد کے ساتھ (D) ابرار احمد کے ساتھ

70. **پروین فنا سید کا کلام ویڈیو پاکستان سے نشر ہوا**
(A) 1949 میں (B) 1958 میں (C) 1963 میں (D) 1965 میں

71. **پروین فنا سید نے شاعری میں اصلاح لی۔**
(A) ادا جعفری سے (B) احمد ندیم قاسمی سے (C) سے فیض احمد فیض (D) پروین شاکر سے

72. شاعرہ سفینے کو اتارنے کے آرزومند ہیں۔
(A) طوفاں میں (B) دریا میں (C) سمندر میں (D) طغیانی میں

73. شاعرہ کو لگتا ہے کہ ڈوب جانے پر اس کو دوبارہ سطحِ آب پر ابھار دیں گی۔
(A) لہریں (B) موجیں (C) مچھلیاں (D) ذوق وشوق

74. شاعرہ ساحل کا تصور مٹا سکتی تھی اگر ہلکا سا اشارہ ہوتا۔
(A) ملاح سے (B) جہاز سے (C) موجوں سے (D) لبِ ساحل سے

75. محبوب واقف نہیں ہے۔
(A) ظلم سے (B) وفا سے (C) آدابِ جفا سے (D) احترام سے

76. عاشق محبوب کا ہر ظلم سہنے کو تیار ہے۔
(A) خندہ پیشانی سے (B) ہنس ہنس کے (C) تکلیف سے (D) مروّت سے

77. غم تو دراصل ہے اپنا
(A) مقدر (B) قسمت (C) نصیب (D) ذلّت

78. زہر کو ہم گوارہ کر لیتے:
(A) تلخی سے (B) بصدِ شوق (C) بیزاری سے (D) محبوب کی وجہ سے

79. اے باغباں تیری عنایت کا کھلتا
(A) بھرم (B) بخشش (C) عطاء (D) حوصلہ

80. یزداں کو پکارنے سے شاعرہ پر کھل جاتے:
(A) اسرارِ فنا (B) رازِ بقا (C) A اور B (D) فنا وبقا

کثیر الانتخابی سوالات کے جوابات

C	10	B	9	C	8	B	7	A	6	D	5	B	4	A	3	C	2	C	1
	20	C	19	A	18	B	17	A	16	B	15	C	14	D	13	B	12	A	11